توراۃ کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام

از
(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابت ماہ نومبر)

بہر حال اشراک ہو یا اشراق چونکہ دونوں ہی میں بجائے خالق کے مخلوقات ہی کی قوتوں سے استفادہ تک کوششیں محدود ہوتی ہیں، فرق دونوں میں صرف اندر اور باہر کا ہے، اپنے اندر کی صلاحیتوں کو ابھار کر کام لینے کا نام اشراق یا اسپریچولزم (روحانیت) ہے اور یہی اندر کے ان مخلوقات سے جب منفعت یا دفع مضرت کے لئے دماغی اور عبادتی رشتہ قائم کر لینا جو آدمی کے اردگرد، سورج چاند، شجر و حجر، آگ پانی ہوا مٹی وغیرہ کی شکلوں میں پھیلے ہوئے ہیں یا واقع میں موجود نہ ہوں، لیکن آدمی کا واہمہ امکان کو محسوس کر کے فرض کر لیتا ہے کہ وہ موجود ہیں، کوئی نام ان ہی اوہامی مخلوقات کا رکھ لیا جاتا ہے اور ان ہی کو پوجنے لگتے ہیں، فکر و نظر کے اسی طریقہ، اور عمل کے اسی طرز کی تعبیر اشراک یا مشرکانہ ذہنیت سے کی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ خدا یا خالق کائنات سے انحراف و بے گانگی اشراک و اشراق دونوں ہی کی قدر مشترک خصوصیت ہے، اسی لئے صحیح معنوں میں جہاں تک میرا خیال ہے مذہب یا دین کا اطلاق نہ اشراک ہی پر درست ہے، اور نہ اشراق پر مذہب اور دین کی عمومیت یا وسعت طاقتوں کا حال اگر یہی ہے تو ورزشی کرتبوں سے جو اپنے جسمانی امکانات کو بروئے کار لانے کی مشق کرتے ہیں، کشتی گیروں، یا جمناسٹک کے تماشے دکھانے والوں کے کاروبار کو بھی مذہب یا دین ہی کی ایک شاخ یا قسم کیوں نہ ٹھرالی جائے۔ جیسے الروح

آدمی کے اندر کی ایک مخلوق ہے، بدن اور جسم بھی انسانی وجود ہی کا تو ایک حصہ ہے اسی طرح آفتاب و ماہتاب جیسے بیرونی مخلوقات سے مشرک قومیں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں، یہی حال اس بیچارے کا بھی تو ہے، جو مثلاً مقناطیس، یا برق وغیرہ جیسی چیزوں سے استفادہ کی کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مقناطیس و برق پر کام کرنے والوں کی جد و جہد کو صرف سائنس اور حکمت کہہ کر ختم کر دیا جائے اور بجائے مقناطیس و برق کے سورج اور چاند کو اپنی توجہ کا مرکز جن لوگوں نے بنا رکھا ہے ان کو مذہبی تقدس اور دینی احترام کا مستحق ٹھہرایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اشراک یا مخلوق پرستی دورِ جاہلیت کی ایک حکمت اور سائنس ہی تھی لیکن بھدی قسم کی جاہلانہ سائنس باور کر لیا گیا تھا کہ ان مخلوقات اور مظاہر کائنات کو قابو میں لانے کے لئے صرف عقلی تدبیریں ہی کافی نہیں ہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پوج بھی دیا جائے۔

کچھ بھی ہو، واقع میں نظریۂ اشراک اور طریقۂ اشراق دین اور مذہب کے دائرے کی چیزیں ہوں، یا نہ ہوں، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے شمار کرنے والے دونوں ہی کو دین ہی کے ذیل میں شمار کرتے چلے آتے ہیں، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صحیح دین کی روح کو "احکام عشرہ" کے قالب میں سپرد کرتے ہوئے ان دونوں مغالطوں پر کافی تنقید کی گئی ہے

لیکن حیرت اس پر ہوتی ہے کہ مذہب کے استعمال کے جس طریقہ کو عصر حاضر کی نئی ایج اور عہد جدید کا خصیصہ سمجھا جاتا ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں دین کے استعمال کی اس انوکھی شکل کا چرچا شاید موجودہ زمانہ سے پہلے نہ کبھی سنا ہی گیا تھا اور نہ کیا ہی گیا تھا، یعنی کچھ دنوں سے جو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ حقیقی مطالبہ مذہب کا یہ ہے کہ اس کے ماننے والے قدرت کے ان قوانین کا پتہ چلائیں جن کے جاننے سے موجودہ زندگی کی سہولتوں کی فراہمی میں مدد ملتی ہے۔ اسی دنیے بجائے ایک قرآن کے دو قرآن کا نظریہ پیش کرنے والوں کی طرف پیش کیا جا رہا ہے۔ لکھنے والے کتابیں لکھ لکھ کر پھیلا رہے ہیں، اور اسی کا وعظ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن کو ان لوگوں نے مانا ہی نہیں جنہوں نے ریل ہی ایجاد کی، اور نہ تار، اور ٹیلیفون کے بنانے کے طریقے دریافت کئے گرامو فون

کا راز ہی ان کی سمجھ میں آیا، اور نہ سینما کی بولتی تصویروں کو پردہ پر پیش کرنے کا سلیقہ ان میں پیدا ہوا، بجائے دو کے ایک ہی قرآن کے پڑھنے والوں کو اس لئے کافر ٹھہرایا جارہا ہے کہ کاغذوں پر لکھے ہوئے قرآن کے ساتھ انہوں نے قدرت کے اس صحیفہ کا مطالعہ جاری نہ رکھا، جو اسرار و نوامیس کے خزانوں سے معمور اور لب ریز ہے بجائے خود اس مطالبہ کی نوعیت کیا ہے، ابھی اس سے بحث نہیں لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اشتراک و اشراق کی تنقید دل کے ساتھ ساتھ ان ہی احکام عشرہ والی صورت میں ایک تمہیدی فقرے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا	اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر نمونے کی بات دہرائی ہے مگر لوگوں نے انکار کیا ایسا انکار جو ناشکری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اسی کے بعد ایک دلچسپ مثال یا نمونے کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا	اور انھوں نے کہا کہ ہم نہ مانیں گے تجھے جب تک کہ زمین سے پھوڑ کر تو چشمہ جاری نہ کرے۔

قَالُوْا کے لفظ سے جن لوگوں کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے ان کے نام کی تصریح تو نہیں کی گئی ہے، یہ خیال کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تعبیر کبھی کبھی قرآن میں ماضی کے صیغہ سے بھی پائی جاتی ہے اور اسی بنیاد پر یہ دعوی کہ بنی آدم میں آئندہ اس قول کے قائل چونکہ پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے مستقبل میں جو واقعہ پیش آیا قرآن نے ماضی کی شکل میں اس کی اطلاع دے دی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کہنے والوں میں اس قسم کی باتوں کے کہنے والے بھی پیدا ہوتے رہیں گے جہاں تک میرا خیال ہے ایک بعید توجیہ سے زیادہ یہ اور کچھ نہیں ہے اور بظاہر سمجھ میں یہی آتا ہے کہ خواہ بات جتنی بھی زیادہ عجیب ہو لیکن پیغمبر پر اس مطالبہ کو قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ عرب کے ان ہی جاہلوں نے پیش کیا تھا، جن میں پہلی دفعہ قرآن نازل ہو رہا تھا، بہرحال مطالبہ جن کا بھی ہو لیکن حاصل اس مطالبہ کا خود غور کیجئے اس کے سوا اور کیا ہے کہ مذہب اور دین کی دعوت دینے والے

رسول (علیہ الصلوٰت والتسلیم) سے یہ چاہا گیا تھا کبو رنگ (چاہ کنندیگی) کی مہارت دکھا کر آب براری کر کے ان کے خشک علاقے کی سیرابی کے لئے سہولت فراہم کریں۔ چونکہ اس میں گونہ خودغرضی کا پہلو بھی پایا جاتا تھا شاید اسی لئے خودغرضی کے اس لوث سے اپنے نقطۂ نظر کو پاک کر کے انھوں نے اسی مطالبہ کو جیسا کہ آگے اطلاع دی گئی ہے "ان الفاظ میں بھی پیش کیا تھا کہ

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا — یا خود تمہارے ہی لئے ہو جائے کھجوروں، اور انگور کا باغ جس کے درمیان پھاڑ کر تم نہریں جاری کرو،

گویا "آب براری" کے تجربہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے اس مطالبہ میں باغبانی اور کشت کاری کی مہارتوں کے مشاہدہ کا مزید مطالبہ بھی پیش کر دیا تھا، اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور سفلیات کے ساتھ آسمانوں اور علویات کو بھی قابو میں لا کر دکھانے کی توقع مذہب کے نمائندے پیغمبر سے انھوں نے کی تھی، آگے قرآن ہی میں ان ہی کی زبان سے یہ الفاظ جو نقل کئے گئے ہیں کہ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا — یا گرا آسمان کو جیسا کہ تو خیال کرتا ہے ہم پر ٹکڑے کر کے،

ان سے جہاں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پیغمبر کی طرف سے آسمانی عذاب کی دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں، ان ہی دھمکیوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ تمہاری دھمکی بھی پوری ہوگی کہ ہم برباد ہو جائیں گے لیکن اس کے ساتھ مذہب کے استعمال کا وہ طریقہ تو ہمارے سامنے آجائیگا کہ زمین ہی نہیں بلکہ آسمانی موجودات، اور فضا کی کائنات کو بھی قابو میں لا کر ان سے کام لینے کا طریقہ سکھانا چاہیئے کہ یہی مذہب اور دین کا اصل مقصود ہو،

ایک مطالبہ ان کی طرف سے اللہ کے رسول علیہ السلام کے آگے یہ رکھا گیا تھا جس کے متعلق تعجب ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلوں کے دماغ میں بھی مذہب کے استعمال کا یہ اچھوتا اور انوکھا طریقہ کیسے آگیا جسے پانے والے سمجھ رہے ہیں کہ علم کی نئی روشنی پانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمہیدی فقرے میں مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (ہر نمونے کی باتوں) کا ذکر جو کیا گیا تھا ہم پاتے ہیں کہ ہمارے عہد جدید

ہی کی دوسری خصوصیت مذہب اور دین ہی کی تنقید کے سلسلے میں جو پیش ہوئی ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے دائرے میں جبتک کوئی چیز نہ آجائے اسوقت تک ہم اسکو مان نہیں سکتے، یا کم از کم اسکے اقرار و انکار دونوں سے چاہیئے کہ آدمی بے تعلق رہے، اسی بنیاد پر سارے غیبی حقائق جنکا مذہب میں تذکرہ کیا گیا ہو سب ہی کی حقیقت علم کے دورِ جدید میں مشتبہ و مشکوک ہو چکی ہے بلکہ عملاً سب ہی کا گویا انکار ہی کر دیا گیا ہے سمجھا جاتا ہے کہ تحقیق و تلاش کا نیا معیار موجودہ حکمت و سائنس نے جو قائم کر دیا ہے اس کی روشنی میں مذہب اپنے بھرم کو کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اب اسکو کیا کہیئے کہ عرب کے ان ہی جاہلوں کی طرف قرآن نے جہاں مذکورہ بالا مطالبے منسوب کئے ہیں وہیں آگے ہم یہ بھی پاتے ہیں، انکا قول نقل کیا گیا ہے کہ

اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (انھوں نے کہا) یا لا ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو

جسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "غیبی حقائق" کو مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں لانیکا مطالبہ بھی عرب کے ان ہی جاہلوں کی طرف سے پیش کیا جا چکا تھا، بلکہ آئندہ زندگی میں "جنت" کے محلات یا قصور کا ذکر کرتے ہوئے جن خصوصیتوں کی خبر دی گئی تھی، شاید ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے یہ بھی چاہا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (انھوں نے یہ بھی کہا کہ) یا ہو تیرے لئے محل زرنگار یا طلائی محل

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ جاہلی مطالبہ یہ تھا کہ پیغمبر جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور خدا کا فرشتہ وحی لیکر مجھ پر اترتا ہے، اسی وحی کو بنام قرآن میں پیش کر رہا ہوں ظاہر ہے کہ قرآن کو تو وہ سن رہے تھے، لیکن نزولِ قرآن کی ساری منزلیں کہ خدا فرشتہ کے سپرد کرتا ہے اور فرشتہ اسی کو لیکر پیغمبر کے سامنے آتا ہے، اور خدا کے سکھائے ہوئے الفاظ پیغمبر کو فرشتہ پڑھاتا اور یاد کراتا ہے، یہ ساری منزلیں صرف "الغیب" ہی سے تعلق رکھتی تھیں، عرب کے ان ہی جاہلوں نے اسی بنیاد پر کہ مشاہدہ اور تجربہ میں بات جب تک نہ آجائے ہم اسکو مان نہیں سکتے، اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ

اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ

یا اے پیغمبر تم چڑھ جاؤ آسمان پر، اور ہم نہ مانیں گے صرف تمھاری چڑھائی کو تاآنکہ تم اتارو ہم پر کتاب جسے ہم پڑھیں،

شاید ان کا خیال تھا کہ ڈھٹ بندی یا سحر اور جادو وغیرہ کے زور سے یہ تو دکھایا جا سکتا ہے کہ آسمان پر آدمی چڑھ رہا ہے اسی لئے انھوں نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف صرف چڑھائی کافی نہیں ہے۔ بلکہ قرآن تم پر جسطرح نازل ہوتا ہے نزول کی اس کیفیت کا اور جن جن منزلوں سے اس سلسلہ میں گذرنا پڑتا ہے، سب ہی کا تجربہ جب تک نہ کراؤگے، تاآنکہ جیسے تم نزول کے بعد قرآن پڑھنے لگتے ہو، ہم بھی پڑھنے لگیں، اسوقت تک ہم ان "غیبی باتوں" پر ایمان نہیں لا سکتے،

خلاصہ یہ ہے کہ مطالبہ ان کا بھی جیساکہ آپ دیکھ رہے ہیں، وہی تھا کہ مشاہدہ اور تجربہ کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ خدا کا، فرشتہ کا، فرشتہ خدا سے وحی کو کس طرح حاصل کرتا ہے اور حاصل کرکے پیغمبر کے سینے میں اسکا القار کسطرح کرتا ہے۔ وہ اس سارے سلسلہ کی ایک ایک کڑی ایک ایک جزر کو مشاہدہ اور تجربہ کے حدود میں لاکر دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنت پوری نہ سہی جس قسم کے قصور اور محلات کا ذکر اسکے متعلق کیا جاتا ہے، کم ازکم اسی کا کوئی نمونہ ہی دکھا دیا جائے، کچھ بھی ہو، مذہب کے متعلق ان دونوں نظریوں کو قرار دینے والے خواہ جس زمانہ کی بھی پیداوار قرار دے رہے ہوں لیکن اسکا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن میں ان دونوں نظریوں کا ذکر موجود ہے، اور ٹھیک اسی مقام اور اسی سورۃ میں ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جسمیں مذہب ہی کے متعلق اشراک واشراق والے عام مغالطوں کی تنقید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ جو حال ان قدیم اور پرانے مغالطوں کا ہے اور مذہب کی "صحیح روح" کے عدم یافت سے اس قسم کے وسوسے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، یہی کیفیت ان دونوں مغالطوں کی بھی ہے، پھر اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے پیغمبر کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا	کہہ دے کہ میرا پروردگار پاک ہے نہیں ہوں میں مگر ایک "بشر رسول"

"بشر رسول" ان ہی دو لفظوں میں اگر غور کیا جائے تو ان دونوں قدیم مغالطوں کا جواب چھپا ہوا ہے

جنھیں پیش کرنیوالے جدید نقاطِ نظر کے نام سے پیش کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ "بشر" یعنی آدمی کی فطرت، کائنات کی دوسری ہستیوں کی طرح قدرتی قوانین کی پابند ہے، منجملہ ان قوانین کے آدمی کی فطرت کا عام قانون ہے کہ صنعتی مہارتیں، یا اختراعی وایجادی سلیقہ اس میں سیکھنے سکھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے بورنگ یا چاہ کندیگی یا چشمہ برآری کا فن نہیں سیکھا ہے اچانک اس سے اسکی توقع کہ وہ ان کاموں کو کرکے دکھا دے، اور جہاں پانی نہیں ہے، وہاں پانی پہنچا دے، جب تک باضابطہ اس فن کی انجینیری کی تعلیم نہ حاصل کی جائے۔ اور پانی کے بہاؤ کا نشیب وفراز، زمین کے ڈھلاؤ سے جو تعلق ہے، اسکے گر نہ بتائے جائیں، اسی طرح باغبانی یا یا کشت کاری زراعت کے اصول کی علماً وعملاً مشق حاصل کئے بغیر اچانک باغ لگا کر دکھانا، یا ہرے بھرے تاکستانوں کا نظارہ پیش کرنا، اور ان کے سینچنے کے لئے ہر درخت اور انگور کی ہر بیل تک پانی پہنچانا، اسکا اندازہ کہ کس زمانہ میں پانی دینا مفید ہوگا، اور کب مضر ہوگا، پانی کی مقدار کی نوعیت مختلف درختوں کے لئے کیا ہونی چاہیئے، الغرض یہ اور اسی قسم کے سارے قاعدے اور قوانین جنکی ضرورت ان راہوں میں پیش آتی ہے بشری فطرت کا یہ دستور نہیں ہے کہ مشق وممارست کے بغیر بے سیکھے اور جانے ان کو کر دکھائے، اور جب زمین سے تعلق رکھنے والے امور کے ساتھ بشری فطرت کا یہ عام قانون ہے، تو آسمانی مطالبہ جو ان کا تھا، ظاہر ہے کہ وہ تو ان سے بھی زیادہ دور از کار تھا، ان کو سمجھا دیا گیا کہ پیغمبر بشر ہیں، فرشتے، یا ملک یا دیوتا نہیں ہیں،

بہرحال غرض یہی ہے کہ کائناتی حقائق مثلاً آگ کس لئے ہے، ہوا سے کون کون سی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، برق سے بھاپ سے، پٹرولیم سے کس قسم کے کام لئے جا سکتے ہیں، یا روٹی کیسے پکتی ہے، جوتوں کے سینے کا صحیح طریقہ کیا ہے، کپڑے کسطرح بنے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کس لئے ہے؟ اس سوال کا جواب تو خود انسان سے، اسکی عقل ہے، اسکا دماغ ہے، سوالات پیدا ہو رہے ہیں، اور آدمی کی عقل ان کا جواب دیتی چلی جارہی ہے، مگر وہی جو "ہر کس لئے" کے سوال کا مجسم زندہ جواب بنا ہوا ہے جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ خود کس کے لئے ہے؟ یعنی خود آدمی کے وجود سے کس نصب العین کی تکمیل ہوتی ہے، ظاہر

ہے کہ عقل وحواس کے سامنے جو کچھ ہے اس کو پیش نظر رکھکر نہ اسکا کوئی جواب ہی دیا جاسکتا ہے اور نہ اس جواب کے بغیر انسانی وجود بلکہ کائنات کی پیدائش کی معقول یا غیر معقول توجیہ ہی سمجھ میں آتی ہے جس کے لئے سب کچھ ہے جب وہی بے قیمت، بے معنی، لاحاصل، بے نتیجہ وجود بنکر رہ جاتا ہے، تو جو کچھ اس لئے ہے، اس کی بھی قدر وقیمت کیا باقی رہی؟[1]

نبوات ورسالات کا نظام جسکی تعبیر ہم مذہب اور دین وغیرہ کے الفاظ سے کرتے ہیں سچ پوچھئے تو اسی جز دو صم (بہرے گونگے) سوال کا جواب ہے۔ مذہب ہی نے اس سوال کے جواب کو پیش کرکے عالم کے اس نظام کو ایک بامعنی اور بامقصد نظام بنادیا۔ اور انسان جو مخلوقات کے سلسلے میں کسی کے کام کا نظر نہیں آرہا تھا اسکے متعلق یہ اعلان کرکے کہ پیدا کرنیوالے نے آدمی کو صرف اپنے لئے، اپنی عبادت کیلئے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، مذہب نے انسانی وجود کے اتنا بالا وبلند کردیا کہ بنی آدم کے کسی ایک فرد کو بچالینے کیلئے، سارے حیوانات، سارے نباتات الغرض ساری کائنات ہی کے ختم کرنے کی ضرورت پیش آجائے، سمجھا جاتا ہے کہ انسانی وجود کے احترام کا یہ قدرتی اقتضا اور اسکا یہ ناقابل انکار واجبی حق ہے،

الغرض زمین کھودکر پانی کیسے نکالا جائے نہریں کس طرح جاری کی جائیں، باغوں کے لگانے، کھیتوں کے آباد کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسی نوعیت کی دوسری چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ تو آدمی کی عقل بتاتی ہے لیکن خود آدمی کا کام کیا ہے، مذہب صرف اسی سوال کا شارح اور اسی کا وہ قدرتی جواب ہے،

"نہیں ہوں میں، مگر ایک "بشر" رسول" یعنی" خالق کا پیغام پہونچانے والا آدمی ہوں"

جو هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا کا ترجمہ حاصل ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ قدرت نے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کائنات سے آدم کی اولاد اگر نکال لی جائے تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز اپنے حال پر باقی رہ جاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کی کسی ضرورت میں کام آکر آدمی اپنے وجود کی قیمت اور اپنی آفرینش کا مقصد بتاتے حالانکہ برعکس اس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ حالاً یا مآلاً کائنات کی ہر چیز انسانی ضرورتوں میں کام آکر اپنی قیمت کو حاصل کر رہی ہے۔

آنکھوں کو دیکھنے کے لئے، کانوں کو سننے کے لئے جیسے بنایا ہے اور یہ غیر فطری مطالبہ ہوگا کہ آنکھوں سے سننے کا اور کانوں سے دیکھنے کا مطالبہ کیا جائے، اسی طرح "جو آدمی رسول یعنی مذہب کا پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس کے آگے ایسے مطالبات رکھنا جو نہ تو بشری فطرت کے عام اقتضاؤں کے مطابق ہیں، اور نہ اس کے عہدۂ رسالت ہی سے ان مطالبوں کا تعلق ہے مطالبہ کرنے والوں کی بدتمیزیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اور یہی "بشیر رسول" بلکہ "رسول کے ایک ہی لفظ میں مذہب کی اس تنقید کا جواب بھی پوشیدہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ کے حدود میں جب تک مذہب کے پیش کردہ مسائل اور حقائق نہ آجائیں گے اس وقت تک وہ واجب التسلیم نہیں ہو سکتے۔

آخر خود غور کیجئے، کہ کائنات کا ایک حصہ تو وہ ہے جسے ہمارے حواس یعنی ہماری بینائیاں، شنوائیاں یا دوسرے ادراکی وحسی ذرائع پا رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہماری فطرت ہی کا احساس یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہمارے حواس کے سامنے ہے، اس کے سوا بھی ہستی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے نہ ہم پا رہے ہیں اور نہ ہمارے حواس، اسی حصہ کو ہم "الغیب" کہتے ہیں اور تو اور ہماری موجودہ زندگی کی ابتدا اور انتہا تک ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم میں نہ کوئی جانتا ہے اور نہ عقل و حواس کی مدد سے جان سکتا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں یا ہم کہاں جا رہے ہیں گویا موجودہ زندگی ایک ایسی کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے کھولی گئی ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی اوراق بھی پھاڑ دیئے گئے ہیں اور آخری اوراق بھی، ظاہر ہے کہ جس کی ابتدا بھی سامنے نہ ہو، اور انتہا بھی غائب ہو ہم اس کا صحیح مطلب کیا متعین کر سکتے ہیں اور اس اندھیرے میں جو قدم بھی اٹھائیں گے، نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح قدم اٹھ رہا ہے یا غلط۔

"الرسول" درحقیقت ہماری عقل اور ہمارے حواس کے ان ہی آخری حدود پر پہنچ کر ہمارا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور "الغیب" کی جن باتوں کے جانے بغیر ہم اپنی موجودہ زندگی کی رفتار کا صحیح رخ متعین نہیں کر سکتے، ان ہی باتوں سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں۔ جس کے بعد ہمارا حال، ہمارے ماضی اور مستقبل دونوں ہی کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ جہل کی تاریکیوں سے نکل کر ہم اچانک "روشنی" میں آجاتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ کسی دین و مذہب یا اسکے پیش کرنیوالے رسولوں اور نبیوں کی طرف سے اسکا مطالبہ کبھی نہیں پیش ہوا کہ جن چیزوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہاتھوں سے چھو رہے ہیں، کانوں سے سن رہے ہیں، یا جنھیں ہم چکھ رہے ہیں، سونگھ رہے ہیں، ان کو مانا جائے اور ان پر ایمان لایا جائے، یا آفتاب چمک رہا ہے، چاند دمک رہا ہے، ستارے جھلک رہے ہیں، پانی چھلک رہا ہے، یہ یا اسی قسم کے مشاہدات کا اقرار کروایا ہو کہ کسی دین یا مذہب میں بنی آدم کے آگے اس نوعیت کے مطالبات تاریخ کے کسی زمانہ میں کبھی نہیں رکھے گئے۔

پھر جو کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں آنیوالی باتوں ہی کو پیغمبر اگر منوائینگے تب تو ہم انکو مان سکتے ہیں، لیکن ہماری جانی ہوئی باتوں کے سوا وہ کچھ اور بتانا چاہتے ہیں، اور جن باتوں سے ہم جاہل ہیں، انسے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، تو ہم اپنے علم میں پیغمبروں کے اس اضافہ کو کسی طرح شریک نہیں کر سکتے، الغرض ہم جو کچھ جانتے ہیں اس سے زیادہ جاننے اور ماننے پر کہتے ہیں کہ ہم آمادہ نہیں ہو سکتے،

آپ ہی بتائیے کہ جاہلانہ اصرار کے سوا ان کا یہ بیجا اصرار اور بھی کچھ ہے "الرسول" کے وجود کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ عقل و حواس کی حد پرواز سے باہر کی چیزوں سے آگاہ کر کے شہادت کا غیب سے، محسوس کا نامحسوس سے، جانی ہوئی باتوں کا انجانی باتوں سے رشتہ قائم کر کے آدمی کے ماضی کا مستقبل سے اور ابتدا کا انتہا سے جو تعلق ہے اسے واضح کر دیا جائے، لیکن عقلی و حسی معلومات کے سوا جسکے اندر پیغمبروں کے پیش کردہ جدید معلومات و انکشافات کے ہضم کرنیکی گنجائش ہی نہ ہو، وہ جو کچھ جانتا ہے اس سے زیادہ جاننے کی صلاحیت ہی سے اپنے آپ کو محروم بناتا ہو، ان کوتاہ نصیبوں کے لئے پیغمبروں کی تعلیم میں اگر کوئی حصہ نہ ہو، تو اسکے سوا دوسری صورت ہی کیا ہے "نہیں ہوں میں لیکن ایک آدمی رسول" یہ جواب پیغمبر کو قرآن میں ان لوگوں کے مطالبہ کے مقابلہ میں جو سکھایا گیا ہے جن کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ "غیبی حقائق" کو جبتک "محسوس معلومات" کے قالب میں نہ لے آؤگے ہم تم پر ایمان نہیں لا سکتے غور کرنا چاہیئے اس کے سوا اور ان کو کیا جواب دیا جاتا۔ کہ ان لوگوں نے نہ "الرسول" ہی کو سمجھا ہے، اور جس کام کیلئے رسول بھیجے جاتے ہیں، نہ اسی کا واضح تخیل ان کے پاس ہے،

دنیا کا دستور بھی یہی ہے، کہ ناواقف کو پیغام پہنچانیوالا ان خبروں، یا حوادثات و واقعات سے مطلع کرتا ہے جن سے وہ ناواقف ہوتا ہے لیکن یہ بھی کیا کسی نے سنا ہے کہ بیمار کے پاس پیامی یہ خبر لیکر آیا ہو کہ تم بیمار ہو، اپنی علالت اور بیماری سے تو غریب بیمار خود ہی واقف ہے، پھر پیامی کے آنے اور مطلع کرنے کا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے، اسی طرح آفتاب موجود ہے، آگ روشن ہے، پانی بہتا ہے ان باتوں کا پیغام تو ہماری آنکھ ہمارے اندر پہنچا رہی ہے پھر ان ہی کے منوانے کے لئے پیغمبر یا رسول کی کیا ضرورت ہے، الحاصل مذہب سے یہ کام لینا کہ معاشی ضرورتوں سے سہولت جن چیزوں سے پیدا ہوتی ہے ان کے استعمال کے طریقوں کو مذہب بتائے اور سکھائے، یا مشاہدہ اور تجربہ کے حدود تک اپنی تعلیم کو مذہب محدود رکھے، کہنے کی حد تک مذہب کے متعلق فکر و نظر تنقید و اعتراض کے ان دونوں عنوانوں کو پیش کر کے اپنی جدت طرازیوں کی داد لینے والے کیوں نہ داد لے رہے ہوں لیکن اپنے احکام عشرہ جنمیں مذہب کی روح سمٹی ہوئی ہے، ان کو حوالہ کرتے ہوئے، قرآن نے مذہب کے متعلق قدیم مغالطوں کے ساتھ ان مغالطوں کا بھی راز واضح کر دیا ہے، جنھیں سمجھنے والے خواہ کچھ بھی سمجھتے ہوں، لیکن ہیں وہ بھی پرانی جاہلی ذہنیتوں کی پارینہ پیداوار میں جاہلیت

کے خفقان کا دورہ جب آدمی کے دل و دماغ پر پڑتا ہے تو اسکے اندر اسی قسم کے وسوسے ابلنے لگتے ہیں، بلکہ ادنیٰ درجہ کے سیاسی اغراض کیلئے بھی مذہب کے استعمال کی نوعیت تقریباً وہی ہے جو حال ان لوگوں کا ہے جو مذہب کی کتاب اور مذہب کے رسول سے ہوائی جہاز، ریل، تار، انجن وغیرہ سیکھنا چاہتے ہیں، یہ سچ ہے کہ نام نہاد روحانیت کو مذہب کا معیاری قالب مشہور کرکے "دنیا گریز رجحانات" سے عوام کو جو مانوس بنا رہے تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن نے بار بار یہ اعلان ضرور کیا ہے کہ مخلوقات کا یہ سارا سلسلہ جو تمہارے سامنے ہے اسلئے نہیں ہے کہ ان سے بھاگا جائے بلکہ تمہارے ہی لئے تمکو نفع پہنچانے کیلئے قدرت نے ان کو پیدا کیا ہے لیکن ایک غلط خیال کی تصحیح کیلئے قرآن کے اس اجمالی بیان کا یہ مطلب سمجھنا یا سمجھانا کہ دنیا کی ہر ہر چیز کے استعمال کے صحیح طریقوں کا بتانا، اور جن جن چیزوں سے جو کام لیا جاسکتا ہے اُنسے کام لینے کی تدبیریں سکھانی بھی قرآنی تعلیم کا حقیقی نصب العین ہے جیسے قرآن پر افترا، کی یہ ایک بدترین گندی مثال ہے، اسی طرح بنی آدم کی سیاسی بازی گریوں کو دیکھ دیکھ کر اور عزت و نام و نمود کے حاصل کرنے کا ارزاں طریقہ اسی کو پاکر مذہب کی طرف یہ منسوب کرنا کہ تنازع للبقاء کے میدان کا ایک کھلاڑی وہ بھی ہے بالفاظ دگر کسی مفاد، یا صرف نام میں شریک کرکے بنی آدم کی کوئی ٹولی مذہب بھی بنا لیتا ہے اور اسی ٹولی کو باقی رکھنے کے لئے دنیا کی دوسری قوموں یا جتھوں کو ختم یا مغلوب کرکے رکھنا چاہتا ہے،

کم از کم جس مذہب کو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی طرف تو اس سیاسی "گھن چکر" کو منسوب کرنا بڑی دیدہ دلیری ہے قرآن بنی آدم کے ہر ہر فرد کے لئے پیغام ہے، وہ سب ہی کا بہی خواہ ہے، کسی قوم، یا ٹولی یا جتھے کو فنا یا مغلوب کرنے کی نیت تو بڑی بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہر اس شخص کو جو زمین کے اس کرے پر آدمی بن کے پیدا ہوا ہے ہر ایک کو قرآن راحت و مسرت کی ابدی زندگی میں حصہ دلانے پر اصرار کر رہا ہے جو مٹ رہے ہیں یا خود مٹ رہے ہیں یا دوسروں کے ہاتھوں مٹائے جارہے ہیں، ان سب کو بقاء دوام کی نعمت بخشنا چاہتا ہے۔ اور اس کی سیاسی جدوجہد بجائے تنازع للبقاء کے ابقاء (یعنی دوسروں کو باقی رکھنے) کی اسی کوشش کا دوسرا نام ہے اسی جدوجہد کو جہاد بھی کہتے ہیں، جس کی مذہب شرحوں، خود ساختہ شرحوں نے غلط اندیشوں کو خدا ہی جانتا ہے کہ اوہام و خرافات کی کن وادیوں میں بھٹکا رکھا ہے دوسروں کو موت کے خطرے میں مبتلا کرکے اپنی یا اپنی ٹولی، اپنے جتھے کی زندگی کی ضمانت حاصل کرنی، جنگ اور دھینگا مشتی کی ان درندگیوں کو بھلا اس پاک اور بلند نقطۂ نظر سے کیا تعلق جسمیں دوسروں تک زندگی ابدی زندگی، دوامی راحت و آرام کی ابدی زندگی کے پیغام پہنچانے کی کوششوں میں حکم دیا گیا ہے کہ موت کا خطرہ بھی سامنے آجائے تو بخوشی اس خطرے کو قبول کرنا چاہیئے، یا کہیے تو کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں کی جلانے اور زندہ کرنیکی کوششوں میں مرنا پڑے تو مرجانا چاہیئے، اسلامی جہاد کی حقیقی روح یہی اور صرف یہی ہے، باقی اسلام کا نام لیکر دنیا کی ٹولیوں کے مقابلہ میں اپنی بھی ٹولی کھڑی کرکے دوسروں کی موت سے اپنی اور اپنی اسی ٹولی کی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں ممکن ہے مسلمان نامی اپنے جتھے کیلئے رنگ رلیوں، ٹھاٹ باٹ کے سازوسامان کے حاصل کرنے میں کچھ دنوں کے لئے کامیاب بھی ہوجائیں، لیکن اسلام کے آگے بڑھنے اور بڑھانے میں یقیناً وہ راہ کے روڑے بنے ہوئے ہیں۔

اختراعی نصب العینوں کے پیش کرنیوالوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے نصب العین کو قبول کر کے حکومت کی باگ ان کے ہاتھ میں اگر دیدی جائے تو انسانی زندگی کا موجودہ ابتلائی وعبوری دور اسی وقت فردوسی زندگی کا قالب اختیار کرلیگا جو شرور اور برائیوں کے عناصر سے اس خاکی زندگی کو کلیتہً وہ پاک کر دینگے جھوٹ بولنے والوں کے منہ پر تو یہ جھوٹ گونہ پھب بھی جاتا ہے لیکن تاریخ کی شہادتوں کو جھٹلا کر اس مفروضہ کو اسلام کی طرف منسوب کرنیوالوں کو شرم کیوں نہیں آتی، جب وہ بھی پھر اسی قسم کے وعدوں اور وعیدوں سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں، بجائے انسانوں کے فرشتوں کو بنی آدم کے گھرانوں میں نہ پہلے چلتے پھرتے پایا گیا ہے، اور نہ آئندہ پایا جائیگا، آسمان سے اتر کر جنت "نہ پہلے کبھی زمین پر آئی ہے اور نہ آئندہ آئیگی، فساد اور فتنوں سے زندگی کا امتحانی وابتلائی دور نہ پہلے کبھی خالی رہا ہے اور نہ آئندہ رہے گا ہاں مرنیکے بعد آئندہ زندگی میں آدم کی اولاد اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پالے، اسکے لئے جس علم اور عمل کی ضرورت ہے، اسلام اسی کا داعی وناشر، معلم ومبلغ ہے اسکے سوا منسوب کرنیوالے جن باتوں کو اسکی طرف منسوب کر رہے ہیں، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب" القرآن" والا اسلام نہیں ہے بلکہ منسوب کرنیوالوں کے دماغوں کا پیدا کردہ اسلام ہے، اور اپنے دعاوی وخیالات کے وہ خود ذمہ دار ہیں ان ہی کو جواب اس قسم کے سوالوں کا دینا چاہیے کہ تیرہ چودہ صدیوں میں بندرہ بیس سال کے سوا اپنے نصب العین کو عملی قالب عطا کرنے سے جو اسلام مسلسل محروم ہی رہا کیا دنیا کے کامیاب مذاہب میں وہ شمار ہو سکتا ہے؟

سلسلہ تاریخ ملت — نبی عربی صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید اڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات صلعم کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بہ درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے، کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے۔ قیمت عہ، مجلد عہ بقیہ حصص خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے، خلافت ہسپانیہ عہ خلافت عباسیہ اول ہے خلافت عباسیہ دوم للعہ۔ تاریخ مصر ہے، خلافت عثمانیہ ہے